ملک عبدالصمد شاہد

حوا کی بیٹیاں اور ازدواجی دہشت گردی

چھٹی صدی عیسوی میں جب کائنات ظلم اور استبداد اور شرک سے بھر چکی تھی تو رب ذوالجلال نے اپنے حبیب مکرم سرور کائنات ؐ کو مبعوث فرمایا اور کائنات کو رحمت سے بھر دیا پھر رسول اکرم ؐ کے 23 سالہ نبوی انقلاب میں جہاں دنیا سے شرک ختم کر کے وحدہ لاشریک کی عظمت اور توحید کو اجاگر کیا وہاں ساتھ ہی عورت کے مقام کا تعین بھی فرمایا اور اس کے پاؤں کے نیچے جنت کا تصور دے کر اسے ایسی مقدس ہستی بنا دیا جس کی مثال ساری دنیا کے کسی بھی مذہب میں نہیں ملتی۔ اور پھر گرم سرد ہوائیں چلتی رہیں انقلابات زمانہ سے صدیاں گزار کر دنیا 21 صدی میں داخل ہونے کی تیاریوں میں ہے۔ مگر آج پھر بد قسمتی سے دنیا کے دیگر ممالک کے علاوہ ہمارے ملک عزیز پاکستان میں جو کہ صرف خدا اور رسول ؐ کے نام کو بلند کرنے کے لئے حاصل کیا گیا تھا پھر حوا کی بیٹی پریشان ہے اور منزل کے دوراہے پر کھڑی ہے۔ اور اس کے ساتھ عجب تماشہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے دوبار ملک کی حکمران بھی حوا کی بیٹی رہی۔ مگر روزانہ اس کے دور حکومت میں بھی عورت پر ظلم ہوتا رہا اور حالات کی ستائی ہوئی مظلوم اور معصوم بچیاں دارالامان کا رخ کرتی رہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے اور دن بدن کیوں بڑھ رہا ہے میں معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ سب سے زیادہ قصوروار ہمارے حکمران' علمائے کرام' ملک کے بڑے بڑے صحافی اور دانشور حضرات ہیں اس لئے کہ کسی کے پاس وقت ہی نہیں ہے۔ صرف 10 فیصد فیشن زدہ مغرب کی دلدادہ خواتین حقوق نسواں کا شور مچا کر گزارہ کر رہی ہیں مگر سب شرفاء عقلاء' علماء اپنی اپنی سیاست اپنی مصروفیات اور کمائیوں میں مصروف ہیں۔ 53 برس کی جدائی کے باوجود ہمارا معاشرہ اپنی سماجی رسومات میں تاحال ہندوازم کے زیر اثر ہے اور آج کے زور آور TV میڈیا نے افکارات اور کردار کو بالکل کچل کر رکھ دیا ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ ملک میں تین طبقے ایک دوسرے کے مدمقابل وقت گزار رہے ہیں۔ 10 فیصد سیاستدان' حکمران بیورو کریٹس ٹائپ کے لوگ یہ تو مکمل طور پر اپنی من مانیوں میں مصروف ہیں۔ ان کو امیری غریبی احکامات خداوندی سے کوئی غرض نہیں کہ ان کے کسی عمل سے کیا ردعمل ہو گا۔ کسی کا دل دکھے گا یا کوئی غریب احساس کمتری سے ہی مر جائے گا وہ لاکھوں کروڑوں لگا کر اپنی راج دلاریوں کو راج محلوں میں بسا لیتے ہیں۔ دوسرا دس فیصد طبقہ تاجر اور صنعت کار حضرات کا ہے جو کہ حقیقت میں ملک کو چلاتے بھی ہیں اور کماتے بھی ہیں ملک کی مہنگی ترین آبادیوں کے مکین ہیں یہ طبقہ بھی دولت کے بل بوتے پر اپنی من مانیوں میں مصروف ہے۔

ہندوانہ طریقہ سے دو دو دن کی مہندیاں آواری اور پرل کونٹینٹل میں ہزاروں ہندوں کا فنکشن لاکھوں کے جہیزوں کے ساتھ گاڑیاں یہ دونوں طبقے ایک دوسرے کی ریس میں بڑھ چڑھ کر باقی 80 فیصد کو ذلیل کرنے میں مصروف ہیں اور ان کے پاس اس کی دلیل ہے کہ اللہ نے دیا ہے تو بچوں کی خوشی کیوں نہ کی جائے حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے اگر تمہارے ہمسائے میں کوئی بھوکا ہے تو پہلے اس کو کھلاؤ اور اپنی پر آسائش زندگی سے اس کو مرعوب نہ کرو۔ خیر اب آئیں اصل بات کی طرف پورے ملک کی 80 فیصد مڈل کلاس کی جوان بیٹیاں کچھ تو مہنگائی کے ہاتھوں اور حالات کی مجبوری سے اور اعلیٰ تعلیم سے محروم ہیں اور پھر اس مہنگائی اور جہیز کی لعنت کے ہاتھوں بالوں میں سفیدی لئے گھروں میں بیٹھی ہیں اور ان حالات میں اگر بھاگ دوڑ کر کے ماں باپ رشتہ داروں اور وچولیوں کے ذریعے رشتہ کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں تو پھر لڑکوں کی لالچی مائیں سانس لینا دوبھر کر دیتی ہیں۔ اب تو بدقسمتی یہ ہے اور واقعات میں اضافہ ہو گیا ہے کہ لڑکے ہی نااہل نکل آتے ہیں۔ عموماً بے روزگاری اور غربت کے ہاتھوں بری علتوں کا شکار ہوتے ہیں مگر مائیں بچاری اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوتی ہیں اور ہر قسم کے نشئی، نیم مرد، نامرد اور نامراد قسم کے لڑکوں کی مائیں بھی ان کے سروں پر سہرے دیکھنا چاہتی ہیں۔ اور لڑکی کے غریب ماں باپ ساری پونجی لگا کر قرض اٹھا کر اپنی اس ذمہ داری سے فارغ ہوتے ہین تو کچھ دنوں بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ تو مکمل طور پر لٹ گئے ہیں۔ اب لڑکی اور لڑکی والے مکمل طور پر لڑکے والوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ لڑکی ان کے یا پھر لڑکے کے نکاحی قبضہ میں جہیز بھی ان کے قبضے میں اور اب لڑکا نشئی ہے تو علاج کی باتیں شروع ہو جاتیں ہیں اور لڑکا ویسے ہی فارغ ہو تو بچیاں نفسیاتی مریض بن جاتی ہیں ۔ مگر بات کسی طرح بھی سلجھنے نہیں پاتی اور پھر لٹ پٹ کر چار چھ ماہ بعد لڑکی والے فیصلہ کرتے ہیں کہ طلاق حاصل کر کے بچی کی جان چھڑائی جائے۔ مگر دوسری طرف مکمل بدمعاشی کا سامنا ہوتا ہے۔ کہ نہیں جی ہم تو بسانا چاہتے ہیں' باتیں یہ بناتے ہیں کہ لڑکی کا ویسے دل نہیں لگتا یا پتہ نہیں پہلے سے ہی کوئی چکر تھا اور اس طرح مکمل بلیک میلنگ شروع ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی مہر لکھا ہوتا ہے تو وہ لڑکی چھوڑ کر خلع مانگ لیتی ہے۔ اور پھر سامان کی بے ہودہ طریقہ سے واپسی اس گرمی اور غصے میں لڑکے کی بہنیں کپڑے اور سامان خراب کر کے اپنے دل کی تسکین کرتی ہیں اور ہزار پریشانیوں پنچائیتوں رشتہ داروں' تھانوں عدالتوں کی بے انصافیوں سے گزر کر سب کچھ لٹا کر بیٹی طلاق یافتہ ہو جاتی ہے اور پھر لڑکی کے ماں باپ ایک گہری سوچ اور پریشانی میں ڈوب جاتے ہیں اور اس ہندوانہ معاشرے کے چہروں پر ایک بات ان کو پڑھنی پڑتی ہے کہ پتہ نہیں کیا چکر تھا کیوں اتنی جلدی طلاق ہو گئی اور اس بدنصیب کے لئے دور دور تک اندھیرے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اور دوسری طرف وہی نیم مرد۔ نامرد اور نامراد قسم کے نشئی لڑکے جو نہائے دھوئے گھوڑے ہوتے ہیں۔ پھر ان کی مائیں بہنیں سر پر سہرے

باجے گاجے کی آوازوں میں گم ہو جاتی ہیں اور تھوڑی سی جدوجہد سے وہ پھر فیض یاب ہو جاتے ہیں اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ اس اسلامی معاشرے کا ڈھنڈورا پیٹنے والے کبھی یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس کا کیا حل کیا جائے۔ اگر چہ یہ شادی اور یہ انتخاب ایک اندھیرا جوا ہوتا ہے اور مکمل طور پر تقدیر خداوندی کے زیر سایہ ہے مگر اس کی فلاح کے لئے کچھ ضرور کیا جا سکتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے محترم ڈاکٹر اسرار صاحب نے اپنے طور پر کاوش کی مگر حکومتوں اور باقی علمائے اکرام کی بے حسی سے یہ جذبہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اگر کچھ کرنے والے حساس ہوں اور نیت نیک ہو تو پھر ہر وقت بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔

راقم الحروف کی چند تجاویز عرض ہیں۔

(۱) علمائے اکرام اور حکومت وقت اپنے علم اور اختیارات کو مد نظر رکھ کر نکاح کے سب سے اہم موضوع (حق مہر) کے مسئلہ کو حل کرالیں۔ کیونکہ ویسے بھی امراء میں سے کوئی عیاش اور اوباش بازاری چکروں میں پڑتا ہے تو دنوں میں لاکھوں اجاڑ دیتا ہے۔ مگر نکاح کے وقت جب تا حیات شریک حیات کے مہر کی بات ہوتی ہے تو بڑے بڑے مہذب اور شریف لوگ خدشہ بدنیتی کے تحت چہ مگوئیوں میں پڑ جاتے ہیں اور کوئی کہتا ہے 32.25 (بتیس روپے چار آنے) لکھ دیں اور عموماً سب شرفاء اسی کو شرعی مہر کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں۔ کیا علمائے اکرام، مفتیان عظام کے لئے قوم کو اصل شرعی مہر بتانا ناممکن ہو گیا ہے۔

(۲) عائلی اور ملکی غیر اسلامی نہیں بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں لڑکی کی شادی اور ماں بننے کی عمر واضح کر دی جائے تا کہ 16-17 سال کی کہانیاں عدالتوں میں افسانے نہ بنیں اور کوئی صاف راستہ مل جائے۔

(۳) نکاح کے فارم میں لڑکی کو طلاق کا حق تفویض کیا جائے اور اس کو لازماً نکاح رجسٹرار صاحبان کو پابند کیا جائے تا کہ اگر کوئی بد نصیب تقدیر کے ہاتھوں غلط لوگوں کے چکر میں پھنس جائے تو اس بے انصاف ملک میں عدالتوں میں ذلیل ہونے سے اور طویل قانونی پیچیدگیوں سے بچ جائے۔

(۴) زیادہ سے زیادہ رسم نکاح کو سنت رسولؐ کی روشنی اور احکامات میں باندھا جائے۔

(۵) اگر یورپ اور دیگر اسلامی ملکوں کی طرح سے لڑکوں کو پابند کیا جائے کہ وہ شادی کے بارے میں اہلیت کا سرٹیفیکٹ کسی مستند ڈاکٹر سے حاصل کر لیں اگر چہ بات چبھنے والی ہے۔ مگر بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اولاد ہونے میں دیر ہو جائے تو بھی ڈاکٹروں سے تصدیق کرنا پڑتی ہے کہ حقیقت کیا ہے۔

(۶) بہت سے لوگوں کو وقتی طور پر اور خاص کر علمائے کرام کو یہ باتیں بری لگیں گی مگر بہت سوں کا بھلا ہو گا۔ اور ان شاء اللہ فلاح کے راستے کھلیں گے کیونکہ شادی بیاہ میاں بیوی کے علاوہ دو خاندانوں کا بندھن ہوتا

((باقی صفحہ نمبر ۳۹ پر))